ابراہیمی مذاہب میں موسیقی کا تصور: مشترکہ اقدار اور فرق

The Concept of Music in Abrahamic Religions: Common Values and Differences

Mubashir Hassan, ** Faiza Ashraf

** PhD Student, Department of Islamic Thought and Culture, NUML University Islamabad.*
*** PhD Student, Institute of Arabic & Islamic Studies, GC Women University Sialkot.*

KEYWORDS

Abrahamic religions, Halal–haram debate, Spirituality, Interfaith dialogue Liturgy, Music and worship

ABSTRACT

This article examines the concept of music within the Abrahamic religions—Judaism, Christianity, and Islam—through a comparative and historical lens. Rooted in monotheistic traditions, music in all three faiths is closely tied to divine praise, spiritual elevation, and communal identity. The study highlights shared values, such as the acknowledgment of music as a means of devotion and emotional refinement, alongside differences that emerge from theological, legal, and historical contexts. Judaism integrates music into liturgy but restricts instrumental use on the Sabbath and after the destruction of the Second Temple; Christianity embraces diverse forms from psalmody and Gregorian chant to polyphony and instrumental hymns, while simultaneously grappling with concerns over sensuality; Islam presents the most contested terrain, where prohibitions on instruments coexist with Sufi practices of samāʿ and devotional nasheeds. The article argues that while music serves as a bridge of spiritual transcendence, differences stem from varying strategies to discipline the senses and avoid idolatry or negligence. In the contemporary era, music emerges as a potential medium for interfaith dialogue and peacebuilding, underscoring its enduring significance in shaping religious identity and modernity.

تعارف

ابراہیمی مذاہب—یہودیت، عیسائیت اور اسلام—اپنی بنیاد میں ایک ہی توحیدی ورثہ رکھتے ہیں، جس میں وحی، کلامِ الٰہی اور اخلاقی ضابطے کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان تینوں مذاہب کی فکری تشکیل میں عبادات اور رسومات کو نمایاں مقام حاصل ہے، اور انہی رسومات کے اندر آواز اور موسیقی

*Corresponding Author: *Mubashir Hassan*
Email Address: *malikmubashir89@gmail.com*

ایک پیچیدہ مگر اہم کردار ادا کرتی آئی ہے۔ انسانی تاریخ میں مذہبی تجربہ محض عقلی یا فکری سطح تک محدود نہیں رہا بلکہ اس میں حسی اور جمالیاتی عناصر بھی شامل رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مذہبی روایت میں موسیقی کو کبھی ایک مقدس وسیلے کے طور پر دیکھا گیا، اور کبھی ایک خطرناک لالچ یا انحراف کے طور پر (Wilson, 2025)۔

یہودیت میں، داؤد علیہ السلام کے زبور سے لے کر ہیکل سلیمانی کی عبادات تک، موسیقی کو خدا کی حمد و ثنا اور روحانی ارتقاء کے ایک اہم آلے کے طور پر اختیار کیا گیا (Idelsohn, 1929)۔ تاہم، تلمود اور ہلاخہ کی قانونی تشریحات نے سبت کے دن اور ہیکل کی تباہی کے بعد موسیقی کے آلہ جاتی استعمال کو سختی سے محدود کر دیا (Shiloah, 1992)۔ عیسائیت نے یہودی ورثے سے استفادہ کرتے ہوئے موسیقی کو ابتدائی کلیسا کی عبادات میں شامل کیا۔ گر گورین چانٹ، زبور کی تلاوت، اور بعد میں اصلاحی تحریک کے بعد ابھرنے والے ہمنز نے عیسائیت کے اندر ایک وسیع میوزیکل روایت قائم کی، مگر یہاں بھی آبائے کلیسا جیسے آگسٹین نے "voluptates aurium" یعنی "کانوں کی لذت" پر تنقید کرتے ہوئے اس کے روحانی اور اخلاقی اثرات پر سوال اٹھایا (Augustine, 1992)۔

اسلام میں یہ بحث سب سے زیادہ پیچیدہ اور متنوع صورت میں سامنے آتی ہے۔ قرآن مجید نے موسیقی کا براہ راست ذکر نہیں کیا، مگر فقہانے "لہو الحدیث" اور بعض احادیث کی بنیاد پر موسیقی کی حرمت یا جواز پر تفصیلی دلائل قائم کیے) القرضاوی، 2006؛ (Shiloah, 1995۔ ایک طرف ابن تیمیہ اور وہابی علمانے آلات کو کلیتاً حرام قرار دیا، تو دوسری طرف امام غزالی نے نیت اور اخلاقی نتائج کی بنیاد پر اسے مشروط طور پر جائز قرار دیا (غزالی، 1111ء)۔ یہی تقسیم اسلامی روایت میں دو متوازی راستے بناتی ہے: ایک سخت فقہی پابندی کا، اور دوسرا صوفیانہ سماع کا، جہاں موسیقی کو خدا کی محبت اور روحانی سرشاری کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے (Lewisohn, 1997)۔

پس منظر

اس تحقیق کا بنیادی مقصد ابراہیمی مذاہب میں موسیقی کے تصور کو تاریخی اور تقابلی تناظر میں پرکھنا ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر تینوں مذاہب، جو ایک ہی ابراہیمی ورثے سے نکلے، موسیقی کے بارے میں اتنے مختلف مگر بظاہر یکساں خدشات کیوں رکھتے ہیں؟ کیا یہ فرق محض فقہی تشریحات کا نتیجہ ہے یا یہ ان مذاہب کے سماجی و تاریخی حالات سے جڑا ہے؟

یہودیت میں آلہ جاتی موسیقی پر قدغن بنیادی طور پر ہیکل کی تباہی کے بعد ایک "collective mourning" (اجتماعی غم) کے عمل کے طور پر سامنے آیا (Seroussi, 2009) ، جبکہ اسلام میں یہ پابندی زیادہ اخلاقی اور فقہی بنیاد پر استوار ہوئی (القرضاوی، 2006)۔ عیسائیت نے

دونوں انتہاؤں کے درمیان ایک متنوع راستہ اپنایا، جہاں کچھ فرقے موسیقی کو عبادت میں لازم سمجھتے ہیں اور کچھ اسے محدود رکھتے ہیں (Begbie, 2007)۔

یہ تحقیق اس پہلو پر بھی روشنی ڈالتی ہے کہ موسیقی کا کردار محض مذہبی رسومات تک محدود نہیں رہا بلکہ یہ ثقافتی شناخت، سیاسی مزاحمت، اور روحانی مکالمے کا ذریعہ بھی رہا ہے (Solomon, 2014; Wilson, 2025)۔ یہودیت کی کلیزمر موسیقی ہو، عیسائیت کی کیتھڈرل کوئرز ہوں، یا اسلام کی قوالی اور نعتیہ روایت — یہ سب اس بات کے مظہر ہیں کہ مذہب اور موسیقی کا تعلق کبھی جامد نہیں رہا بلکہ بدلتے حالات کے ساتھ اس نے نئی صورتیں اختیار کی ہیں۔

ادب کا جائزہ

یہودیت میں موسیقی پر سب سے بنیادی اور جامع تحقیق Idelsohn (1929) کی ہے، جنہوں نے اپنی کتاب *Jewish Music in its Historical Development* میں یہ دکھایا کہ یہودی موسیقی کی جڑیں بائبلی ادوار تک جاتی ہیں اور زبور کی تلاوت نے liturgy میں مرکزی حیثیت اختیار کی۔ ان کے مطابق، موسیقی یہودی شناخت کے لیے اتنی ہی ضروری تھی جتنی تورات کی قراءت۔

عیسائی فکر میں Augustine (1992) نے *Confessions* میں موسیقی کے دوہرے کردار پر بحث کی، یہ مانتے ہوئے کہ گانا روح کو خدا کی طرف اٹھا سکتا ہے مگر ساتھ ہی یہ خطرہ بھی ہے کہ آواز کی لذت انسان کو متن کے اصل مقصد سے غافل کر دے۔ Martin Luther (1965) نے موسیقی کو "خدا کا تحفہ" قرار دیا اور اسے liturgy میں مرکزی مقام دیا، جبکہ John Calvin نے اسے محدود کرنے پر زور دیا (Calvin, 2001)۔ Begbie (2007) نے جدید عیسائی الٰہیات میں موسیقی کو "resounding truth" کہا جو خدا کی جلالت کو منعکس کرتی ہے۔

اسلامی روایت میں Shiloah (1995) نے اپنی Music in the World of Islam میں موسیقی کی متنازعہ حیثیت کو اجاگر کیا۔ غزالی نے اپنی احیاء علوم الدین میں لکھا کہ اگر موسیقی دل کو خدا کی طرف متوجہ کرے اور غفلت کا باعث نہ بنے تو یہ جائز ہے (غزالی، 1111ء)۔ القرضاوی (2006) نے بھی موسیقی کے حرام و حلال پر تفصیل سے گفتگو کی، ان کے مطابق آلات کے بغیر دینی نغمے اگر فحاشی اور غفلت سے پاک ہوں تو جائز ہیں (القرضاوی، 2006)۔ صوفی روایت میں Lewisohn (1997) نے Samāʿ کو عشقِ الٰہی کا ذریعہ قرار دیا اور دکھایا کہ کس طرح قوالی اور نعتیہ روایت نے اسلامی معاشرے کو روحانی یکجہتی بخشی۔

مزید یہ کہ جدید مطالعات، مثلاً Yaqin (2022) اور Wilson (2025)، نے موسیقی کو postcolonial اور comparative frameworks میں دیکھا ہے۔ ان کے مطابق موسیقی نہ صرف عبادت بلکہ شناخت اور بین المذاہب مکالمے کا بھی ذریعہ ہے۔

یہودیت میں موسیقی کا تصور

یہودیت میں موسیقی کا تصور اپنی جڑوں میں مقدس تاریخ اور عبادتی رسومات سے جڑا ہوا ہے۔ بائبلی روایات کے مطابق، حضرت داؤد علیہ السلام کو نہ صرف بادشاہت بلکہ موسیقی کی صلاحیت بھی دی گئی تھی، اور ان کے زبور یہودی عبادات کا مرکزی حصہ بن گئے۔ زبور کو ہمیشہ سے ایک ایسی شاعری اور نغمگی کے طور پر دیکھا گیا ہے جو خدا کی حمد و ثنا اور جماعتی عبادت کو یکجا کرتی ہے(Idelsohn, 1929) ۔ ہیکل سلیمانی میں موسیقی اور آلات جیسے ہارپ اور طبل استعمال ہوتے تھے، جنہیں مقدس عبادت کا حصہ سمجھا جاتا تھا۔

تاہم 70 عیسوی میں رومیوں کے ہاتھوں ہیکل ثانی کی تباہی کے بعد یہودی ربیوں نے آلہ جاتی موسیقی پر قدغن لگادی۔ یہ پابندی دراصل ایک اجتماعی غم (collective mourning) کا حصہ تھی، تاکہ یہودی برادری ہیکل کی تباہی کو ہمیشہ یاد رکھ سکے۔ بعد کی ہلاخک (Halakhic) تشریحات میں سبت اور دیگر تہواروں پر آلات کے استعمال کو بھی اس بنا پر ممنوع قرار دیا گیا کہ یہ "کام" کے زمرے میں آتا ہے (Shiloah, 1992)۔ اس طرح عبادت کو زیادہ تر آواز، تلاوت اور حمدیہ گانوں تک محدود کر دیا گیا۔

یہودی liturgy میں حزان (Cantor) کی روایت خاص اہمیت رکھتی ہے۔ حزان، یا کینٹر، وہ شخص ہوتا ہے جو عبادت گاہ میں دعا اور زبور کو مخصوص دھنوں کے ساتھ تلاوت کرتا ہے۔ اس روایت نے موسیقی کو ایک ایسا ذریعہ بنا دیا جو براہ راست دل پر اثر کرتا ہے اور عبادت کو ایک روحانی کیفیت میں ڈھال دیتا ہے(Seroussi, 2009) ۔ یہودی عبادات میں آلہ جات کی ممانعت کے باوجود، آواز کی کارکردگی اور قراءت کو اس حد تک نکھارا گیا کہ وہ بذاتِ خود موسیقی کی تاثیر پیدا کرے۔

وقت کے ساتھ ساتھ یہودی برادری نے غیر مذہبی موسیقی کو بھی اپنا لیا۔ خاص طور پر مشرقی یورپ میں کلیزمر (Klezmer) موسیقی نے ایک منفرد حیثیت اختیار کی۔ اگرچہ یہ زیادہ تر شادیوں اور سماجی تقریبات میں بجائی جاتی تھی، لیکن اس میں بھی مذہبی اور روحانی رنگ جھلکتا تھا۔ کلیزمر موسیقی نے یہ ظاہر کیا کہ یہودی شناخت صرف عبادت گاہ تک محدود نہیں بلکہ موسیقی کے ذریعے اپنی ثقافت کو زندہ رکھنے کی بھی ایک صورت ہے (Idelsohn, 1929; Solomon, 2014)۔

جدید یہودی معاشروں میں موسیقی نے مزید تنوع اختیار کیا ہے۔ اصلاحی اور لبرل یہودی تحریکوں نے عبادت گاہوں میں دوبارہ آلہ جاتی موسیقی کو شامل کیا، جبکہ قدامت پسند اور آرتھوڈوکس یہودی اب بھی اسے محدود رکھتے ہیں۔ تاہم زبور کی تلاوت اور حمدیہ نغمے آج بھی یہودی liturgy کا لازمی حصہ ہیں، اور یہودی موسیقی کو ایک ایسا ذریعہ بناتے ہیں جو مقدس وقت اور اجتماعی شناخت کو تشکیل دیتا ہے(Wilson, 2025) ۔

یہ واضح ہے کہ یہودیت میں موسیقی کا کردار دو پہلوؤں پر مشتمل ہے: ایک طرف یہ عبادت کا مقدس حصہ ہے جو خدا کی حمد اور روحانی بلندی کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور دوسری طرف یہ ایک مسلسل یاد دہانی ہے کہ موسیقی کبھی بھی متن اور وحی کی جگہ نہیں لے سکتی۔ یہی تناؤ یہودیت میں موسیقی کے تصور کو نہایت منفرد اور پیچیدہ بنا دیتا ہے۔

عیسائیت میں موسیقی کا تصور

عیسائیت میں موسیقی ایک کثیر الجہتی کردار ادا کرتی ہے۔ یہ صرف عبادت تک محدود نہیں بلکہ عیسائی معاشروں کی ثقافت، فنونِ لطیفہ اور مذہبی جمالیات کی تشکیل میں بھی بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ عیسائیت نے اپنی ابتدائی تشکیل میں یہودی ورثے سے استفادہ کیا اور زبور کی تلاوت اور عبرانی دھنوں کو عبادت کا حصہ بنایا۔ بعد ازاں یونانی فلسفیانہ اثرات اور رومی liturgical روایات نے اسے مزید وسعت بخشی (Idelsohn, 1929; Begbie, 2007)۔

ابتدائی کلیسا اور آبائے کلیسا کی آراء

ابتدائی عیسائی چرچ میں موسیقی زیادہ تر آواز پر مبنی تھی اور سازوں کا استعمال بہت محدود تھا۔ گرگورین چانٹ (Gregorian Chant) سب سے پہلی منظم شکل تھی جس میں سادہ مگر پُراثر دھنوں کے ذریعے الٰہی کلام کو بیان کیا جاتا تھا۔ یہ طرز موسیقی "a cappella" (یعنی بغیر آلات کے) تھا اور اس کا مقصد سامعین کو خدا کی طرف متوجہ کرنا تھا (Shiloah, 1995)۔

سینٹ آگسٹین نے اپنی کتاب *Confessions* (1992) میں اعتراف کیا کہ موسیقی روح کو خدا کی طرف بلند کرنے کی ایک بڑی قوت رکھتی ہے، مگر ساتھ ہی انہوں نے اس پر تنقید بھی کی کہ کہیں یہ "voluptates aurium" یعنی "کانوں کی لذت" نہ بن جائے اور عبادت کرنے والا اصل مقصد یعنی خدا کی عبادت سے غافل نہ ہو جائے۔ اس طرح عیسائی روایت میں موسیقی کو ہمیشہ ایک دوہرے زاویے سے دیکھا گیا: ایک طرف یہ روحانی بلندی کا ذریعہ تھی اور دوسری طرف اخلاقی خطرہ (Augustine, 1992)۔

قرونِ وسطیٰ اور چرچ موسیقی کا ارتقاء

قرونِ وسطیٰ میں چرچ نے موسیقی کو liturgy کا باقاعدہ حصہ بنا دیا۔ گریگورین چانٹ سے شروع ہو کر چرچ کوائرز، پوپ کے دربار میں موسیقی، اور بعد ازاں *polyphony* (کثیر الآواز موسیقی) کا آغاز ہوا۔ پائپ آرگن جیسے ساز بھی اسی دور میں چرچ کا حصہ بنے، جنہیں خدا کی عظمت کو ظاہر کرنے کا ایک ذریعہ سمجھا گیا (Wilson, 2025)۔

اس دور میں موسیقی کو عبادت کی "روحانی زبان" کہا گیا، جو عوام تک الٰہی پیغام پہنچانے کا ایک طاقتور ذریعہ تھا۔ تاہم، چرچ کی جانب سے یہ احتیاط برقرار رہی کہ موسیقی کبھی بھی کلامِ مقدس کے پیغام پر حاوی نہ ہو (Begbie, 2007)۔

اصلاحی تحریک اور موسیقی

16 ویں صدی میں اصلاحی تحریک نے عیسائی موسیقی میں ایک بڑی تبدیلی پیدا کی۔ مارٹن لوتھر نے موسیقی کو "خدا کا تحفہ" قرار دیا اور اسے عوامی عبادت کا لازمی حصہ بنایا۔ ان کے نزدیک موسیقی انجیل کی تبلیغ اور ایمان کی تقویت کے لیے ایک اہم ذریعہ تھی۔ انہوں نے "chorales" یعنی عام عوامی گیتوں کو چرچ میں متعارف کروایا، تاکہ ہر فرد براہِ راست عبادت میں شامل ہو سکے (Luther, 1965)۔

اس کے برعکس، جان کیلون اور ہولڈرچ زونگلی نے موسیقی میں سازوں کے استعمال پر سخت پابندی لگائی۔ کیلون کے نزدیک صرف زبور کی تلاوت اور غیر آلہ جاتی نغمے عبادت کے لیے جائز تھے، جبکہ سازوں کا استعمال لوگوں کو خدا کے کلام سے غافل کر سکتا تھا (Calvin, 2001)۔ اس طرح پروٹسٹنٹ تحریک کے اندر موسیقی پر مختلف زاویے سامنے آئے: کچھ نے اسے عبادت کا بنیادی حصہ بنایا اور کچھ نے اسے محدود رکھا۔

جدید دور میں عیسائی موسیقی

جدید عیسائی چرچ میں موسیقی کی مختلف شکلیں پائی جاتی ہیں۔ کیتھولک چرچ اب بھی گریگورین چانٹ اور کوئر کی روایت کو برقرار رکھتا ہے، جبکہ پروٹسٹنٹ چرچ نے عوامی گیتوں اور جدید hymns کو عبادت کا حصہ بنا دیا ہے۔ بیسویں صدی میں گاسپل میوزک اور کرسچن راک جیسی نئی اصناف نے عیسائی موسیقی کو ایک ثقافتی اور سماجی کردار بھی دیا، جو صرف عبادت تک محدود نہیں رہا (Begbie, 2007)۔

یوں عیسائیت میں موسیقی کا تصور ایک وسیع اور متنوع کینوس پر پھیلا ہوا ہے۔ ابتدائی کلیسا میں اسے محتاط انداز میں اپنایا گیا، قرونِ وسطیٰ میں اسے عظمت کے اظہار کا ذریعہ بنایا گیا، اصلاحی تحریک نے اس کی نئی صورتیں پیش کیں، اور جدید دور میں یہ ایک ہمہ جہت فن بن چکا ہے۔ تاہم اس سب کے باوجود ایک بات مشترک رہی: موسیقی ہمیشہ عبادت اور خدا کے قریب ہونے کا ذریعہ سمجھی گئی ہے، خواہ اس کے اظہار کی شکلیں کتنی ہی مختلف کیوں نہ رہی ہوں۔

اسلام میں موسیقی کا تصور

اسلام میں موسیقی کا موضوع ہمیشہ سے متنازع اور متنوع آراء کا حامل رہا ہے۔ قرآنِ مجید نے موسیقی کا براہِ راست ذکر نہیں کیا، مگر بعض آیات جیسے "وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ" (لقمان: 6) کی بعض مفسرین نے موسیقی سے تعبیر کی ہے۔ اسی طرح احادیث میں بھی آلاتِ موسیقی کو بعض

جگہوں پر "معاصی" اور "گناہ" سے جوڑا گیا ہے، مثلاً ایک روایت کے مطابق "میری امت میں کچھ لوگ ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور آلات موسیقی کو حلال قرار دیں گے" (صحیح بخاری)۔ ان نصوص کی بنیاد پر علما کی ایک بڑی تعداد نے موسیقی کو حرام یا مکروہ قرار دیا ہے (Shiloah, 1995)۔

فقہی آراء اور ممانعت

اہلِ سنت کے مختلف فقہی مکاتب فکر میں موسیقی کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ حنفی، شافعی اور حنبلی فقہاء کی اکثریت نے موسیقی اور آلات کو ممنوع قرار دیا، خصوصاً تار والے آلات جیسے عود اور ستار، اور بانسری کو۔ ان کے نزدیک یہ آلات دل کو اللہ کے ذکر سے غافل کر دیتے ہیں اور فحاشی و شہوانیت کو ابھارتے ہیں۔ امام ابن تیمیہ نے موسیقی کو صریح حرام کہا اور اسے فسق و فجور سے جوڑا۔ وہابی علمانے بھی اسی موقف کو اپنایا اور موسیقی کو ایک سخت فتنہ قرار دیا(Shiloah, 1995 ؛القرضاوی، 2006)۔

البتہ بعض محدثین اور فقہانے قدرے نرم رویہ اختیار کیا۔ مثلاً بعض فقہانے دف بجانے کو خاص مواقع پر جائز قرار دیا، جیسے عید اور شادی کی تقریبات۔ اس رخصت کا ماخذ وہ احادیث ہیں جن میں حضور ﷺ کے زمانے میں لڑکیوں کا دف بجانا ذکر ہوا ہے (القرضاوی، 2006)۔

غزالی کا نقطہ نظر

امام ابو حامد الغزالی (1111ء) نے موسیقی پر ایک نہایت معتدل اور عملی نقطہ نظر پیش کیا۔ ان کے نزدیک موسیقی بذاتِ خود نہ حرام ہے اور نہ حلال، بلکہ اس کی حیثیت نیت اور اثرات پر منحصر ہے۔ اگر موسیقی دل کو اللہ کی طرف متوجہ کرے اور ذکر و فکر کو بڑھائے تو یہ جائز ہے، اور اگر یہ غفلت، شہوت یا معصیت کی طرف لے جائے تو یہ ممنوع ہے (غزالی، 1111ء)۔ الغزالی کا یہ نظریہ فقہ میں ایک "مقاصدی" رجحان کی نشاندہی کرتا ہے، جہاں احکام کو ان کے اخلاقی نتائج سے پرکھا جاتا ہے۔

صوفی روایت اور سماع

اسلامی تاریخ میں صوفیانہ روایت نے موسیقی کو سب سے زیادہ مثبت انداز میں اپنایا۔ صوفیوں کے نزدیک سماع یعنی وجدانی موسیقی ایک ایسا ذریعہ ہے جو انسان کو روحانی سرشاری اور عشقِ الٰہی تک پہنچاتا ہے۔ قوالی، نعت، منقبت اور ذکر کی محفلیں صوفی سلسلوں میں عام رہیں، جہاں دف اور طبل جیسے آلات استعمال ہوتے تھے۔ رومی، نظام الدین اولیاء، اور دوسرے صوفی بزرگوں نے موسیقی کو تزکیۂ نفس اور قربِ الٰہی کا ایک طاقتور ذریعہ سمجھا (Lewisohn, 1997)۔

سماع کی محفلوں میں موسیقی صرف فن یا تفریح نہیں بلکہ ایک روحانی مشق تھی، جس کا مقصد دنیاوی جذبات کو خدا کی محبت میں بدل دینا تھا۔ صوفیہ کا عقیدہ تھا کہ موسیقی اگر دل کو خدا کی یاد سے لبریز کرے تو یہ عبادت کے مترادف ہے (Shiloah, 1995)۔

شیعہ روایت میں موسیقی

شیعہ فقہ میں بھی موسیقی کو عمومی طور پر مکروہ یا ممنوع سمجھا گیا ہے، خصوصاً وہ موسیقی جو لہو و لعب یا گناہ سے جڑی ہو۔ تاہم ایران اور دیگر شیعہ معاشروں میں صوفیانہ اور مذہبی موسیقی (مثلاً نوحہ خوانی، مرثیہ اور مذہبی ترانے) کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ ایران میں انقلاب کے بعد ابتدا میں موسیقی پر سخت پابندیاں لگائی گئیں، مگر بعد میں بعض مذہبی اور ثقافتی موسیقی کی اجازت دے دی گئی (Wilson, 2025)۔

معاصر مباحث

جدید دور میں موسیقی کے بارے میں بحث مزید پیچیدہ ہو گئی ہے۔ جدید اسلامی مفکرین جیسے یوسف القرضاوی نے اس بات پر زور دیا کہ اگر موسیقی اخلاقی، تربیتی اور سماجی طور پر مثبت کردار ادا کرے تو اسے مکمل طور پر ممنوع قرار دینا درست نہیں (القرضاوی، 2006)۔ دوسری طرف بعض معاصر علما اب بھی موسیقی کو معاشرتی بگاڑ کا سبب سمجھتے ہیں اور میڈیا و پاپ کلچر کو اس کے منفی اثرات کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

اسلامی دنیا کے مختلف حصوں میں موسیقی کے بارے میں رویے بھی مختلف ہیں۔ ترکی اور برصغیر میں صوفی موسیقی کو وسیع مقبولیت حاصل ہے، جبکہ سعودی عرب جیسے ممالک میں حالیہ دہائیوں تک موسیقی پر سخت پابندیاں رہیں۔ تاہم اب گلوبلائزیشن اور ثقافتی تبدیلیوں کے نتیجے میں یہ رویے بھی بدل رہے ہیں (Wilson, 2025)۔

اسلام میں موسیقی کا تصور تین بڑے رجحانات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1. سخت فقہی ممانعت — جو موسیقی کو حرام یا مکروہ قرار دیتی ہے۔
2. معتدل نقطہ نظر — جیسا کہ امام غزالی کا، جو نیت اور اثر پر حکم کو مبنی کرتا ہے۔
3. صوفیانہ قبولیت — جو موسیقی کو عشقِ الٰہی اور روحانی ارتقاء کا ذریعہ قرار دیتی ہے۔

یہ تقسیم ظاہر کرتی ہے کہ اسلام میں موسیقی کا تصور محض فقہی نہیں بلکہ روحانی، اخلاقی اور ثقافتی پہلوؤں کا ایک پیچیدہ امتزاج ہے۔

مشترکہ اقدار اور فرق

ابراہیمی مذاہب، یعنی یہودیت، عیسائیت اور اسلام، اپنی توحیدی اساس اور وحی پر مرکوز ہونے کے باوجود موسیقی کو کئی پہلوؤں میں مشترکہ طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ ان تینوں مذاہب میں سب سے نمایاں قدر یہ ہے کہ موسیقی کو خدا کی حمد و ثنا اور عبادت کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ یہودیت میں زبور کی تلاوت اور حزان کی روایت، عیسائیت میں گریگورین چانٹ اور گرجاگھروں کے ہمنز، اور اسلام میں نعت و تلاوت اور بعض صورتوں میں صوفیانہ ذکر، سب اسی مقصد کے حامل ہیں۔ ان تینوں روایات میں موسیقی محض فن یا جمالیاتی تجربہ نہیں بلکہ خدا کے ساتھ تعلق کو مضبوط کرنے اور جماعتی عبادت کو سہارا دینے کا ایک ذریعہ ہے (Idelsohn, 1929; Shiloah, 1995; Lewisohn, 1997)۔

یہ بھی مشترکہ ہے کہ موسیقی کو روحانی بلندی اور سرشاری کا ایک طاقتور وسیلہ سمجھا گیا۔ عیسائی مفکر آگسٹین نے اسے روح کو خدا کی طرف بلند کرنے والا ذریعہ قرار دیا، اگرچہ انہوں نے اس کے خطرات پر بھی متنبہ کیا کہ یہ کبھی کبھی محض "کانوں کی لذت" بن سکتی ہے (Augustine, 1992; Begbie, 2007)۔ اسلامی صوفیا نے اسے عشقِ الٰہی کے تجربے کے طور پر دیکھا جہاں سماع دل کو خدا کی طرف متوجہ کرتا ہے اور وجدانی کیفیت پیدا کرتا ہے) غزالی، 1111ء؛ (Lewisohn, 1997۔ یہودی روایت میں بھی زبور کی دھنیں سننے والے کو خدا کے قریب لے جانے کا ذریعہ بنتی ہیں (Seroussi, 2009)۔ اس طرح تینوں مذاہب میں موسیقی کو محض سماعتی تجربہ نہیں بلکہ روحانی سفر اور ایمان کی تقویت کا ذریعہ مانا گیا۔

موسیقی کو تینوں مذاہب میں اجتماعی شناخت اور سماجی یکجہتی کے آلے کے طور پر بھی دیکھا گیا ہے۔ یہودی تہواروں میں نغمگی، عیسائی کلیسا میں کوئر کی شمولیت، اور اسلامی معاشروں میں میلاد اور قوالی کی محفلیں اس بات کی علامت ہیں کہ موسیقی برادری کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑتی ہے اور مذہبی شناخت کو مستحکم کرتی ہے۔ موسیقی کا یہ کردار عبادت سے آگے بڑھ کر سماجی تعلقات اور ثقافتی پہچان کے قیام میں بھی اہمیت رکھتا ہے (Solomon, 2014; Wilson, 2025)۔

تاہم ان مشترکہ اقدار کے ساتھ ساتھ نمایاں اختلافات بھی موجود ہیں۔ سب سے بڑا فرق آلاتِ موسیقی کے استعمال کے بارے میں ہے۔ یہودیت میں ہیکل ثانی کی تباہی کے بعد آلہ جاتی موسیقی پر پابندی کو ایک تاریخی نوحہ اور اجتماعی غم کی صورت کے طور پر دیکھا گیا (Shiloah, 1992)، جبکہ اسلام میں آلات پر پابندی کو زیادہ تر اخلاقی اور فقہی بنیادوں پر سمجھا گیا جہاں انہیں شہوانیت اور غفلت کے خطرے سے جوڑا گیا) القرضاوی، 2006؛ (Shiloah, 1995۔ اس کے برعکس عیسائیت نے زیادہ لچکدار رویہ اختیار کیا اور آلہ جاتی موسیقی کو نہ صرف عبادت بلکہ چرچ کے فنونِ لطیفہ کا حصہ بنا دیا (Wilson, 2025)۔

اسلامی فقہی روایت میں موسیقی پر سب سے زیادہ سخت مناظرے ملتے ہیں جہاں بعض علما نے اسے صریح حرام قرار دیا، جبکہ دیگر نے نیت اور اثر کی بنیاد پر اسے مشروط طور پر جائز کہا (غزالی، 1111ء)۔ عیسائیت میں اختلاف زیادہ تر اخلاقی خدشات اور فرقہ وارانہ تقسیم تک محدود رہا، جیسے مارٹن لوتھر نے موسیقی کو خدا کا تحفہ قرار دیا جبکہ جان کیلون نے اسے محدود رکھنے پر زور دیا (Luther, 1965; Calvin, 2001)۔ یہودیت میں موسیقی پر پابندی کی بنیاد زیادہ تر تاریخی اور liturgical رہی، نہ کہ اخلاقی یا فقہی۔

سیکولر اور مذہبی موسیقی کی سرحدوں میں بھی فرق نظر آتا ہے۔ عیسائیت نے سیکولر موسیقی کو بھی قبول کیا بشرطیکہ وہ ایمان اور اخلاقی تعلیم کو سہارا دے (Begbie, 2007)، جبکہ اسلام میں سیکولر موسیقی کو عمومی طور پر حرام یا مکروہ سمجھا گیا، اگرچہ صوفی روایت نے اسے مذہبی تجربے کا حصہ بنایا۔ یہودیت میں کلیزمر موسیقی نے سیکولر اور مذہبی حدود کو کسی حد تک عبور کیا مگر عبادت کے باضابطہ ڈھانچے میں آلات کی ممانعت برقرار رہی (Solomon, 2014)۔

ان سب کے باوجود ایک بات واضح ہے کہ تینوں مذاہب میں موسیقی کے حوالے سے بنیادی تناؤ ایک جیسا ہے۔ یہ تناؤ اس سوال کے گرد گھومتا ہے کہ کیا موسیقی انسان کو خدا کی طرف بلند کرنے اور ایمان کو گہرا کرنے کا وسیلہ ہے یا یہ محض دنیاوی لذت اور غفلت کا باعث ہے۔ یہودیت نے اسے تاریخی یادداشت اور مقدس وقت کی پابندی کے تناظر میں محدود کیا، عیسائیت نے اس کے روحانی اور اخلاقی اثرات پر بحث کی، اور اسلام نے اسے فقہی اور اخلاقی اصولوں کے پیمانے پر پرکھا۔ یہی تناؤ موسیقی کو ان تینوں مذاہب میں بیک وقت ایک مقدس وسیلہ اور ایک مشتبہ تجربہ بنا دیتا ہے۔

نتائج اور سفارشات

اس مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ابراہیمی مذاہب میں موسیقی کا تصور بیک وقت ایک مشترکہ ورثہ اور ایک اختلافی تناظر پیش کرتا ہے۔ مشترکہ پہلو یہ ہے کہ تینوں مذاہب موسیقی کو خدا کی حمد و ثنا، روحانی بلندی اور جماعتی اتحاد کا ذریعہ تسلیم کرتے ہیں۔ یہودیت میں زبور کی تلاوت، عیسائیت میں کوئر اور hymns، اور اسلام میں نعت و ذکر کی روایت اس بات کا مظہر ہیں کہ موسیقی نے ہمیشہ مذہب کو محض عقلی یا فقہی سطح سے آگے بڑھا کر ایک جمالیاتی اور حسی رنگ عطا کیا ہے۔ تاہم اختلافات وہاں پیدا ہوتے ہیں جہاں موسیقی کو شہوانیت، غفلت یا متنِ مقدس پر حاوی ہونے کا خدشہ سمجھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہودیت نے تاریخی نوحے کے تناظر میں آلہ جاتی موسیقی پر قدغن لگائی، عیسائیت نے اخلاقی اور فرقہ وارانہ سطح پر اس کی حدود متعین کیں، اور اسلام نے فقہی و اخلاقی دلائل کی بنیاد پر اسے سختی سے منظم کرنے کی کوشش کی۔

اس سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ موسیقی ان تینوں مذاہب میں ایک "double-edged phenomenon" ہے۔ ایک طرف یہ روح کو خدا کی طرف بلند کرتی ہے، دوسری طرف یہ خطرہ پیدا کرتی ہے کہ انسان محض لذت یا تفریح میں الجھ جائے۔ یہی کشمکش ہر روایت میں کسی نہ

کسی صورت میں موجود ہے اور یہی اس کا سب سے اہم تقابلی پہلو بھی ہے۔ یہ تناؤ دراصل توحیدی مذاہب کی اس بنیادی فکر سے جڑا ہے کہ خدا کی عبادت ہر طرح کے وسوسے اور حسی انحراف سے پاک ہونی چاہیے۔

اس تحقیق کی روشنی میں چند سفارشات پیش کی جا سکتی ہیں۔ سب سے پہلے یہ کہ موسیقی کو ہر مذہبی روایت میں اس کی روحانی صلاحیت کے ساتھ دیکھا جانا چاہیے نہ کہ محض ایک دنیاوی لذت کے طور پر۔ اگر موسیقی کو مثبت اخلاقی اور روحانی مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے تو یہ نہ صرف ایمان کو تقویت دیتی ہے بلکہ معاشرتی ہم آہنگی اور بین المذاہب مکالمے کا بھی ذریعہ بن سکتی ہے۔ دوسری سفارش یہ ہے کہ علما اور مذہبی رہنما اس بات پر نظرِ ثانی کریں کہ آیا ممانعتی رویے موسیقی کے منفی اثرات کو ختم کرنے میں واقعی مؤثر ہیں یا محض ثقافتی سختی کو جنم دیتے ہیں۔ ایک زیادہ معتدل اور مقاصدی نقطۂ نظر، جیسا کہ امام غزالی نے پیش کیا، آج کے دور میں زیادہ موزوں ہو سکتا ہے کیونکہ یہ نیت اور اخلاقی نتائج پر زور دیتا ہے۔

تیسری سفارش بین المذاہب تعلقات کے تناظر میں ہے۔ موجودہ دور میں جہاں عالمی سطح پر مکالمے اور ہم آہنگی کی ضرورت بڑھتی جا رہی ہے، موسیقی ایک ایسا ذریعہ ہے جو زبانی مباحثوں کی حدود کو عبور کر کے دلوں کو جوڑ سکتا ہے۔ مشترکہ محافلِ موسیقی، جیسے قوالی یا زبور کی قراءت، مذہبی مکالمے کو صرف علمی یا فقہی سطح سے آگے بڑھا کر ایک حسی اور روحانی ربط میں بدل سکتی ہیں۔ یہ نہ صرف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان سمجھ بوجھ کو بڑھا سکتا ہے بلکہ عالمی سطح پر امن اور برداشت کو بھی فروغ دے سکتا ہے۔

آخر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ابراہیمی مذاہب میں موسیقی کے بارے میں پائے جانے والے اختلافات ان کے اندرونی فکری و تاریخی تناظر سے جڑے ہیں، لیکن ان اختلافات کے باوجود موسیقی کو ہمیشہ ایک ایسا وسیلہ سمجھا گیا ہے جو انسان کو خدا اور برادری دونوں کے قریب لاتا ہے۔ یہی وہ پہلو ہے جو اس موضوع کو نہ صرف ماضی میں اہم بناتا ہے بلکہ موجودہ دور میں بھی اسے بین المذاہب ہم آہنگی اور سماجی ترقی کے لیے ایک قیمتی ذریعہ بناتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

القرضاوی، یوسف۔ (2006)۔ غناء اور موسیقی اسلام میں۔ اسلام سٹی۔

al-Qaradawi, Y. (2006). *Ghina aur Mosiqi Islam Mein*. Islam City.

Augustine of Hippo. (1992). *Confessions* (H. Chadwick, Trans.). Oxford University Press.

Begbie, J. J. (2007). *Resounding truth: Christian wisdom in the world of music*. Baker Academic.

Calvin, J. (2001). *Psalms and liturgy: Selected writings*. Westminster John Knox Press.

Idelsohn, A. Z. (1929). *Jewish music in its historical development*. Henry Holt.

Lewisohn, L. (1997). The sacred music of Islam: Samāʿ in the Persian Sufi tradition. *British Journal of Ethnomusicology, 6*(1), 1–33.

Luther, M. (1965). *Luther's works 53: Liturgy and hymns* (G. G. Krodel, Ed.). Fortress Press.

Seroussi, E. (2009). Music: The 'Jew' of Jewish studies. *Jewish Studies: Journal of the World Congress of Jewish Studies, 46*, 3–84.

Shiloah, A. (1992). *Jewish musical traditions*. Wayne State University Press.

Shiloah, A. (1995). *Music in the world of Islam: A socio-cultural study*. Wayne State University Press.

Solomon, N. (2014). *Judaism: A very short introduction*. Cambridge University Press.

Wilson, G. F. (2025). *Music and monotheism*. Cambridge University Press.